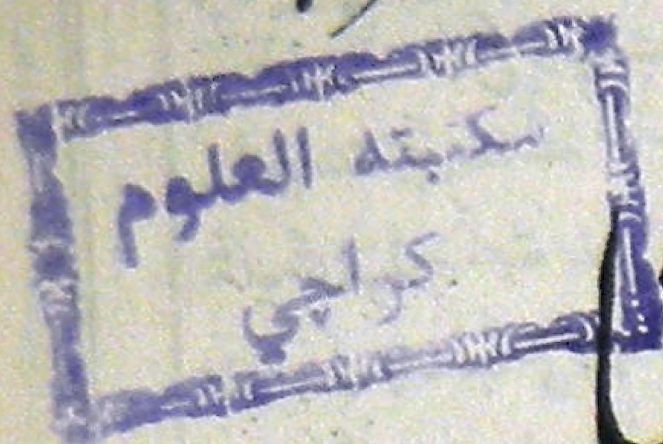


سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان ریسرڈ لاپورٹ



عَلَيْهِ السَّلَام

امام رضا

شہنشاہ خراسان سلطان العرب والعجم امام ضامن ابوالحسن علی
ابن موسیٰ الرضا علیہ التحیۃ والتنازل علیہ السلام کے سوانح حیات

کا مختصر خاکہ

HABIB ELECTRIC TRADING CO.

از قلم حقیقت رقم

سرکار سید العلماء علامہ علی نقی النقیوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ آنے

امامیہ میں پانچ سو سال کا سفر

کاپنٹا لیسواں تبلیغی رسالہ "امام رضاؑ" آٹھویں امام کے حالات پر مشتمل آپ کے زیر مطالعہ ہے لکھنؤ مشن
یہ رسالہ زیر ۱۶ اشائع ہو چکا ہے یہ وہ امام ہیں جن کے سلسلے وسیع سلطنت کے ولعہد کی حیثیت
کے اختیارات پیش کئے گئے مگر آپ نے کمال شان استغناء سے انکو ٹھکرا کر اسلام کی سادہ زندگی کو
رشتک شاہان زمانہ ثابت کر دیا اور فقیری میں بادشاہی کی۔ آج ایران کے شہنشاہ آپ کے
مرد منور کی جباروب کشی کو اپنا طرہ افتخار جانتے ہیں۔ عزادارِ حسی حسین مظلوم کی اشاعت میں
آپ کا لائحہ عمل ہمارے لیے روشن مثال ہے جسکی تاسی میں ہم تمام عالم کو پیغام حسین سے منور کرنے
کی عملی ہدایت پاتے ہیں۔

اراکین امامیہ مشن نے چودہ معصومینؑ کی مختصر سوانح حیات کا سنہری سلسلہ "شائع کر کے ایک اہم
تبلیغی ضرورت کو پورا کیا ہے چند صفحات میں ضروری واقعات کو سمیٹ کر کوزہ میں دریا بند کر دیا
ہے۔ ان اجماعی خطوط کی تفصیل مبسوط کتاب کا منشا پورا کر سکتی ہے۔ نظام اسلام میں چہارہ معصومینؑ
کی ذوات مقدسہ کی اہمیت و عظمت کی یہ شان ہے کہ ان حضرات کی معرفت محبت اور
اطاعت ہر انسان پر واجب و لازم ہے۔

اس اہمیت کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ ان بزرگواروں کے حالات پر بلند پایہ لٹریچر کی مختلف زبانوں میں
استفادہ فراوانی ہوتی کہ تمام اقوام عالم ان سے متعارف ہو سکیں لیکن حالت یہ ہے کہ اردو زبان
میں بھی مناسب موزوں لٹریچر کی کمی مزید بیاں بچوں اور کم علم لوگوں نیز مستورات کیلئے مسائل
زبان میں لٹریچر کی کمیابی ان تمام مشکلات کا سرکار سید العلماء مدظلہ العالی نے جامع انسان اور
اختصار نویسی سے جو عبوری حل ان رسائل کی شکل میں کر دیا ہے اس کیلئے سرکارِ مدح و تحریک
شکریہ کے مستحق ہیں۔

لاریب معصومینؑ کی ذوات مقدسہ خدا تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ اور ان حضرات کے
تعارف کے لیے یہ سلسلہ اشاعت بھی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ابنائے ملت سے التماس ہے
کہ ان رسائل کو نہ صرف اپنے لیے خریدیں بلکہ مشن سے رجائتی قیمت پر حاصل کر کے اپنے
ماحول میں مفت تقسیم کر نیک اہتمام فرمائیں تاکہ تبلیغ دین کے اجر کے مستحق بن سکیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اسلام ایک عملی مذہب ہے اور وہ اس دنیا میں رہ کر دین کے واسطے پر قائم رہنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس لئے اس کا راستہ بال سے زیادہ باریک ہو گیا ہے کیونکہ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر دامن کو بچائے رکھنا کوئی دشوار امر نہیں ہے لیکن ابنائے دنیا کے اندر رہتے ہوئے ہر ہر قدم پر اپنے مالک کی مرضی کو پیش نظر رکھنا اور پھر کسی قسم کی کوتاہی کا دھبہ نہ آنے دینا بڑا سخت کام ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے ان رہنمایان دین کی سیرت زندگی کو غور سے دیکھنے کی جنہیں ہر طرح کے نرم اور گرم حالات سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کبھی گوشہ تنہائی میں زندگی گزارنا پڑی اور کبھی اپنی طبیعت کے خلاف دنیاوی سلطنت کے ماحول اور دنیاوی سیاست کے اندر قدم رکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن ہر حال میں اپنے اس بلند فریضہ کو پورا کرتے رہے جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ آل محمد کے سلسلہ کی یہ دسویں کڑی حضرت امام رضا علیہ السلام کے مقدس حالات میں اسی لئے پیش کی جا رہی ہے

نام و نسب علی نام رضا لقب اور ابو الحسن کنیت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام والد بزرگوار تھے اور اس لئے آپ کو پورے نام و لقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام ابو الحسن علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کہا جائے گا۔ والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا۔ نہایت عبادت گزار بی بی تھیں۔

ولادت الرذی القعدہ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت کی ولادت ہوئی۔ اسی کے تقریباً ایک ماہ قبل ۱۵ شوال کو آپ کے جد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہو چکی تھی۔ اتنے عظیم حادثہ مصیبت کے بعد جلد ہی اس مقدس مولود کے دنیا میں آجائے سے یقیناً تمام گھر لے میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی گئی۔

مرتبیت آپ کی نشو و نما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور پینتیس برس کی عمر پوری ہوئی۔ اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسیٰ کاظم عراق میں قیدِ ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۸ یا ۲۹ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

نشینی امام موسیٰ کاظم کو معلوم تھا کہ حکومت وقت آپ کو آزادی سے سانس نہ لینے دیگی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانہ اہلبیت کا آپ سے ملنا یا بعد کے لئے رہنا کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائیگا۔ اس لئے آپ نے انہی آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جبکہ آپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہلبیت کو اپنے بعد ہونیوالے امام سے روشناس بنانے کی ضرورت محسوس فرمائی چنانچہ اہلِ علی و فاطمہؑ میں سے مشرہ آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے انہیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضاؑ کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرمادیا۔ اور ایک وصیت نامہ تحریر کیا جس میں مکمل فرمایا جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی۔ یہ اہتمام دوسرے آئمہ کے ہاں نظر نہیں آتا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بنا پر جن سے دوسرے آئمہ اپنی وفات کے موقع پر دوچار نہیں ہوتے والے تھے۔

دورِ امامت حضرت امام رضا علیہ السلام کی پینتیس برس کی عمر تھی جب آپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم کی وفات ہوئی اور امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہوئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب بغداد میں مارکن الرشید تختِ خلافت پر تھا اور بنی فاطمہ کے لئے حالات بہت نا سازگار تھے۔ اس ناخوشگوار ماحول میں حضرت

خاموشی کے ساتھ شریعتِ حقہ کے خدمات انجام دینے شروع کر دیئے۔

علمی کمال

آلِ محمد کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احمدیت کی طرف سے بلند ترین علم و ادب بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانہ نے کم موقع دیا اور کسی کو زیادہ۔ چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادقؑ کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارا بھائی علی رضا عالم آلِ محمد ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظمؑ کی وفات کے بعد جب آپ مدنیہ میں تھے اور دوسرے رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد ابن عیسیٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضاؑ سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے انکا جواب تحریر فرمایا تھا اکٹھا کئے تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

زندگی کے مختلف دور

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد دس برس ہارون کا دور رہا یقیناً وہ امام رضاؑ کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح پر برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کا رہنا اس نے یاد نہیں کیا۔ مگر یا تو امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور اس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سے حکومت و وقت عام بدنامی ہو گئی تھی اور یا واقعی ظالم کو خود اپنی بدسلوکیوں کا احساس اور ضمیر کی طرف سے

امامت کی کیفیت تھی۔ جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضاؑ کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برکی نے اپنے اثر اور رسوخ کے بڑھلنے کے لئے یہ کہا بھی کہ علیؑ ابن موسیٰ بھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیں تو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے جواب تم چاہتے ہو کہ میں اس لٹل ہی کا خاتمہ کر دوں۔

پھر بھی ہارون رشید کا اہلبیت رسولؑ سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ برتاؤ اب تک رہا تھا اس کی بنا پر عام طور سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنہیں حکومت..... بکورا ضعیف رکھنے کی خواہش تھی اہلبیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ نہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لئے آ سکتے تھے نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔ ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا۔ امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور و دانیقی کی پوتی تھی۔ اور اس لئے عرب سردار سب اسکے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا۔ اس لئے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا۔ دونوں کی آپس کی رستہ کشی ہارون کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے خیال میں اسکا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام مصر حجاز یمن وغیرہ محمد امین کے نام کئے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران، خراسان، ترکستان وغیرہ مامون کے لئے مقرر کئے۔ مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کا رگر ہو سکتا تھا جب دونوں فریق "جواور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔

لیکن جہاں اقتدار کی ہوں کار فرما ہو وہاں اگر بنی عباس کے ہاتھوں بنی فاطمہ کے خلاف ہر طرح کے ظلم و تعدی کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے تو خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مد مقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جابرانہ کاروائیاں کرنے پر تیار نظر آئے۔

اور کیوں نہ ان طاقتوں میں باہم تصادم ہو جبکہ ان میں سے کوئی اس سمہردی اور ایشیاد اور خلق خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے۔ جسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر لیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ماروں کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد امون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۷ھ میں تلار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور امون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہو گئی

دلی عہدی امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت تو امون کے پائے نام ہو گئی۔ مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ امین نہضت کی طرف سے عربی النسل تھا اور امون عربی النسل امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور اراکان سلطنت کے دل امون کی طرف سے صاف نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ ایک غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرفدار تھی اس سے بھی امون کو ہر طرف خطرہ لگتا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہؑ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں۔ یا بلا وطن کئے گئے ہوں یا قید رکھے گئے ہوں۔ ان کے بھی موافق ایک جماعت تھی۔ جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکتی تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے برا ضرور تھی۔

ایران میں ابوسلمہ خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جہاد شیعہ پید کیا تھا۔ وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ مہم ردی کا پیدا ہونا فطری تھا۔ درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔ مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھلی ہی ہوں گی کہ ہم سے کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کر لیا۔ ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کا پتہ چا مامون کے کالوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جہوت کہ ابن کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنیاد بنائے۔ اور چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھا نہیں جاسکتا اور وہ عام طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ یہ سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے اپنی شیعیت اور ولایت اہلبیت کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلے۔ اور یہ دکھائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب "حق بحق دار کسید" کے مقولہ کو سچا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق اصلی اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی شائع کی کہ جب ابن کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی طعنیان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اسے

اصلی حقدار یعنی اولادِ قاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہے اس تک پہنچا دوں گا۔ اسی مذہ کے بعد
 سے میرے سب کام بننے لگے اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔
 یقیناً یہ واقعہ مامون کی طرف سے اسلئے بیان کیا گیا کہ اس کا طرزِ عمل خلوصِ قلب اور
 حسنِ نیت پر مبنی سمجھا جائے۔ یوں تو اہل بیتؑ کے جو کھلے ہوئے سخت سے سخت دشمن
 تھے وہ بھی انکی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے اور ان کی عظمت کو جانتے تھے
 مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جانتا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور
 مامون کے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوے شیعیت اور محبتِ اہلبیت کا دھندلا
 پینے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ امام کو اپنے منشا کے مطابق
 چلانے کی کوشش تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل
 سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ یہ ولی عہد
 کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے جیس میں امام کے ساتھ
 کیا جا رہا تھا۔

امام علیہ السلام کا اس ولی عہد کو قبول کرنا بالکل ولسیا ہی تھا جیسا مارون کے حکم
 سے امام موسیٰ کاظمؑ کا جیل خانہ چلا جانا اسی لئے جب امام رضاؑ مدینہ منورہ سے خراسان
 کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے سرجِ صدر اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی۔ روضہ
 رسولؐ سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسینؑ کے مدینہ سے
 روانگی کے موقع پر تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بیتا بانہ روضہ کے اندر جاتے
 ہیں۔ اور ناولہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر نکل کر گھر جانے کا
 ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا۔ پھر روضہ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں یہی صورت

کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے قریب گیا تو فرمایا اے مولیٰ! میں اپنے جدِ امجد کے روضہ سے بہ جبر جدا کیا جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں داس ۲۱ نا نصیب نہ ہوگا۔

سن ۱۲۰۰ھ میں حضرت مدینہ منورہ سے خراسان کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل دیال اور متعلقین سب کو مدینہ ہی میں چھوڑ گئے اس وقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ بھی مدینہ ہی میں رہے اس سفر کے مختصر حالات اور پیشاپوشی ام کا استقبال اور حضرت کا خطبہ رسالہ ”عہدِ مامون اور امام رضا میں جو امامیہ مشن سے شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمائیے) جب حضرت مرو پہنچے جو اس وقت دارالسلطنت تھا ماموں نے چند روز ضیانت و تکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبولِ خلافت کا سوال پیش کیا حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنینؑ چوتھے موقعِ خلافت پیش کئے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے۔ مامون کو خلافت سے دست بردار ہونا درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولیمعہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت اس کے بھی انجام سے ناواقف تھے۔ نیز بہ خوشی جا بہ حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا۔ حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا۔ مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو اس وقت آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظتِ جان شریعتِ اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ امام نے فرمایا ”یہ ہے تو“

میں مجبوراً قبول کرتا ہوں، مگر کاروبار سلطنت میں بالکل دخل نہ دینگا۔ ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائیگا تو نیک مشورہ ضرور دینگا۔ اس کے بعد یہ ولیعہدی صرف پرانے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہو۔ مگر امام کی حیثیت اپنے خزانہ کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کی بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے۔ جس طرح انکا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح و جائز نہیں بنا سکتا تھا ویسے ہی امام رضاؑ کا اس نوعیت سے ولیعہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ صرف مامون کی ایک راج ہٹ تھی جو اس طرح پوری ہو گئی۔ مگر امامؑ نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔

بنی عباس مامون کے اس فیصلے سے قطعاً متفق نہ تھے۔ انہوں نے بہت کچھ دراندازیاں کیں، مگر مامون نے صاف کہہ دیا کہ علی رضاؑ سے بہتر کوئی دوسرا شخص تم بتا دو۔ اسکا کوئی جواب نہ تھا۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے مناظرے بھی ہوئے۔ مگر ظاہر ہے کہ امامؑ کے مقابلے میں کس کی علمی فوقیت ثابت ہو سکتی تھی۔ مامون کا فیصلہ ال تھا اور وہ اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھا۔ نہ کوئی دوسرا دلائل سے اسے قائل کر سکتا تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل دیتا۔

یکم ماہ رمضان ۲۰۱ھ روز پنجشنبہ جلسہ ولیعہدی منعقد ہوا۔ بڑی شان و شوکت اور نزک احتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی۔ پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے۔

سونے اور چاندی کے سکے سر مبارک پر نشانہ کئے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت و ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے۔ مامون نے حکم دیا کہ حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے چنانچہ درہم و دینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔ جمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام داخل کیا گیا۔

اخلاق و اوصاف

مجبوری اور بے بسی کا نام قناعت یا درویشی عصمتِ نبیانی از بے چادری کے مقولہ کے موافق اکثر ابنائے دنیا کا شعار رہتا ہے مگر ثروت و اقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنا بلند مرتبہ مردانِ خدا کا حصہ ہے۔ سلطنتِ معصومین میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت کے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے اور اکثر یہ حضرات ایسے ہی تھے وہ عموماً اچھے لباس اور شان کے ساتھ رہتے تھے۔ کیونکہ انکی فطری کو دشمن بے بسی پر محمول کر کے طعن و تشنیع پر آمادہ ہوتے اور تحقیر کے وقار کو ٹھیس لگتی۔ مگر جو بزرگ اتفاقات روزگار سے ظاہری اقتدار کے درجہ پر پہنچ گئے انھوں نے اتنا ہی فقر اور سادگی کے مظاہرہ میں اضافہ کر دیا تا کہ انکی زندگی غریب مسلمانوں کی تسلی کا ذریعہ بنے اور ان کے لئے نمونہ عمل بنے۔ جیسے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؑ چونکہ شہنشاہِ اسلام مانے جاتے تھے۔ اس لئے آپ کا لباس اور طعام ویسا نہ ہدائے تھا جسکی مثال دوسرے معصومین کے یہاں نہیں ملتی۔ یہی صورت حضرت علی رضاؑ کی تھی۔ آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولیمہ بندے گئے تھے۔ جس کے وسعتِ مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاقتِ نسیاں کی نذر ہو گیا تھا۔ جہاں اگر بادل سلنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبلیں سے آواز بلند ہوتی تھی کہ "جا جہاں تجھے برسا ہو پس

بہر حال تیری پیداوار کا خرچ میرے ہی پاس لگے گا۔

حضرت امام رضاؑ کا اس سلطنت کی دلیعہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا۔ کہ دین دے اگر دنیا کو پا جائیں تو انکار دویہ کیا ہوگا۔ یہاں امام رضاؑ کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنادیں۔ جتنے ترک احتشام کے دنیاوی تقاضے زیادہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرا دیا اور علی رضاؑ کے لباس میں علی مرتضیٰؑ کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کئے بلکہ جاڑے میں بالوں کا مل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا۔ کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان، سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے ادب و آداب شاہی کے خوگر ایک ملجی شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ حضور اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام الگ ہو جایا کرے تو کیا ہرج ہے۔ حضرت نے فرمایا: خالق سب کا اللہ ہے۔ ماں سب کی سوا اور باپ سب کے آدم ہیں۔ جزا و سزا ہر ایک کی اس کے عمل کے مطابق ہوگی۔ پھر دنیا میں تفرقہ کس لئے ہو، اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزو بن کر جہاں صرف پیغمبرؐ کی طرف ایک قرابت داری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلیفہ خدا پر حکمرانی کا حقدار بتایا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال و افعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے بنے اور ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم و رشت و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابت رسولؐ پر افتخار تھا۔ اس ماحول کے اندر

www.kitabmart.in
داخل ہو کر امام رضا کا اس بات پر پورا زور دیا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے۔

بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہر حال ایک اہم صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلافت اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے اہم اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ امام رضا کی سیرت میں اسکے مختلف شواہد ہیں۔ ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ "خدا کی قسم آباؤ اجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں" حضرت نے فرمایا "میرے آباؤ اجداد کو جو شرف حاصل ہوا وہ بھی صرف تقویٰ پر ہیزگاری اطاعت خدا سے" ایک شخص نے کسی دن کہا کہ "واللہ آپ بہترین خلق ہیں" حضرت نے فرمایا "اے شخص حلف نہ اٹھا جبکہ تقویٰ و پرهیزگاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔"

ابراہیم ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت فرماتے تھے "میرے تمام لونڈی غلام آزاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے تنہیں محض رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے اہل سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل جاؤں" حضرت نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) ہاں جب عمل خیر بجا لاؤں تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا" یہ باتیں کوتاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کر لیتے ہیں، مگر خود حکومت عباسیہ کا فرمانہ واقعی اتنا کندہ سن نہ ہو گا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے، امام رضا کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظام سلطنت

برابر لگ رہے تھے۔ اس نے تو بخیاں خود ایک قبیلی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لئے حضرت کو ولیعہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر انکی زندگی زیادہ عرصے تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یکلفت انقلاب ہو جائیگا۔ اور عباسی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے الٹ جائیگا۔

عزائے حسینؑ کی اشاعت

اب امام رضاؑ کو تبلیغ حق کے لئے نام حسینؑ کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ قائم کر چکے تھے۔ مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ حیب امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام یا بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضاؑ تو امام روحانی بھی ہیں اور ولیعہد سلطنت بھی۔ اس لئے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مرد کا مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ ہر طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص کی جانے لگی کہ آل محمد کے مصائب کو یاد کرو اور "اثراۃ غم کو ظاہر کرو۔"

یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ "جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہو گا اسدن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔"

تذکرہ امام حسینؑ کیلئے جو مجمع ہوا اسکا نام اصطلاحی طور پر "مجلس" اسی امام رضاؑ کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ آپ نے علی طور پر بھی خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں۔ جن میں

کبھی خود ذکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے بیان بن شیب کی حاضری کے موقع پر جو اپنے مصائب امام حسین بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دجبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین میں اشعار پڑھو۔ وہ ذکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔ دجبل کو حضرت نے بعد مجلس ایک قیمتی حدّ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دجبل نے یہ کہہ کر عذر کیا کہ مجھے قیمتی حدّ کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے جسم کا اترا ہوا لباس مرحمت فرمائیے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی۔ حدّ کو انہیں دیا ہی اس کے علاوہ ایک حبّہ اپنے پہننے کا بھی مرحمت فرمایا۔ اس سے ذکر کا بلند طریقہ کار کہ اسے کسی دنیاوی العام کی خاطر یا عاذا للہ اجرت طے کر کے ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے اور بانی مجلس کا طریقہ کار کہ وہ بغیر طے کئے ہوئے کچھ بہ طور پیشکش ذکر کی خدمت میں پیش کیے۔ دونوں امور ثابت ہیں۔ مگر ان مجالس میں سامعین کے اندر کسی حصّہ کی تقسیم ہرگز کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہوتی۔

وفات

مامون کے توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخر اہم کی جان لینے کا درپے ہو گیا اور وہی خاموش حربہ جو ان معصومین کے ساتھ اگلے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جا چکا تھا کام میں لایا گیا۔ انگوڑیوں جو بطور تحفہ امام کے سامنے پیش کئے گئے تھے نہ ہر دیا گیا اور اس کے اثر سے ۲۰۳ صفر ۶۱۰ میں حضرت نے شہادت پائی۔ مامون نے بہ ظاہر بہت سنج و ظم کا اظہار کیا اور اہل نشان و شوکت کے ساتھ اپنے باپ ہارون رشید کے نزدیک دفن کیا۔ جہاں شہد مقدس میں حضرت کا روضہ آج تاجداران عالم کی جبیں سائی کا مرکز ہے۔ وہاں اپنے وقت کا بزرگ ترین دنیاوی شہنشاہ ہارون رشید بھی دفن ہے جس کا نام و نشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔